مولانا مفتی سراج الدین صاحب کاکاخیل۔ لائکپور

تحریک ریشمی رومال میں مولانا عزیز گل اسیر مالٹا کا مثالی کردار

تحریک شیخ الہندؒ کے بارہ میں بعض شرمناک غلط بیانیوں کی حقیقت

"تحریک ریشمی رومال" نامی کتاب پر تبصرہ

قسط ۲

مرتب کتاب عبدالرحمٰن کا مجرم ضمیر اُسے خود بھی بار بار ڈرا رہا تھا۔ کہ اس قدر جھوٹ آخر لوگ کیسے سچ مانیں گے۔ اس لئے اس نے اپنے اس کھوٹے اور جعلی سکے کو تاریخ کے بازار میں رائج اور چلتا کرنے کیلئے ایک طویل تمہید باندھی ہے۔ اور اس میں یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ "حسن ظن اور حسن اعتماد نے ہمیشہ تحریکوں کو ناکام بنایا ہے۔ اور ریشمی رومال کی تحریک بھی حضرت شیخ الہندؒ کے حسن اعتماد اور حسن ظن کی وجہ سے ناکام ہو گئی تھی۔ انہوں نے بعض افراد کو اپنا مشیر کار بنایا ہوا تھا جو کہ اندرونی طور پر انگریزوں کے جاسوس تھے اور ظاہری طور پر شیخ الہندؒ کے معتقد اور فدائی بنے ہوئے تھے۔ یہ لوگ پوری کارروائیوں سے انگریز کو مطلع کر رہے تھے" ص ۲۴۶

اور اس طویل تمہید کے بعد پھر لکھا ہے کہ:

"ایسے افراد کا نام بتانا تو آج مشکل ہے۔ اور اگر نام بتائے بھی جائیں تو لوگ اعتبار بھی نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے بزرگی کی آڑ میں اپنے آپ کو بایزید و جنید بنایا ہوا ہے۔ حتیٰ کہ حضرت مدنی جیسا آدمی بھی ان کے نام لینے کی جرأت نہ کر سکا۔ تو میں اگر کچھ لکھوں تو دنیا کب مانے گی۔" ص ۲۴۸

گویا مرتب خود یہ محسوس کر رہا ہے کہ میری بات پر لوگ اعتبار نہیں کریں گے۔ مجرم ضمیر اُسے اندر اندر ڈرا رہا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ تاثر بھی دے رہا ہے۔ کہ حقیقتاً میں تو سچ کہوں گا لیکن میری کہی ہوئی باتیں ایسی سچی باتیں ہوں گی جن کے اظہار کی جرأت صرف میں ہی اپنی بہادری، بے خوفی

اور شجاعت کی وجہ سے کرسکا ہوں، ورنہ حضرت مدنیؒ کو بھی یہ سب کچھ معلوم ہونے کے باوجود یہ جرأت نہ ہوسکی کہ وہ ان ناموں کا اظہار کرتے۔ وہ بھی ڈر رہے تھے کہ دنیا میری تکذیب کرے گی اور کسی طرح ان باتوں پر اعتبار نہ کرے گی۔ بلکہ آگے جاکر مرتب کو یہ لکھنا پڑا کہ "خوش اعتمادی کی وجہ سے حضرت شیخ الہندؒ نے بھی آخری زندگی تک ان کو ساتھ رکھا بلکہ اپنی ایک عزیزہ سے ان کا عقد بھی کرادیا۔ اور حضرت مدنیؒ نے بھی ان کی صفائی بیان کی ہے۔" مرتب کتاب خود بھی اعتراف کرنے پر مجبور ہے۔ کہ حضرت شیخ الہندؒ کا اس پر اعتماد تھا۔ آخر زندگی تک اُسے اپنے پاس رکھا۔ اپنی عزیزہ کا عقد بھی کرادیا۔ اور حضرت مدنیؒ نے بھی اسکی صفائی بیان کی ہے۔ وہ بظاہر جنید و بایزید جیسے بزرگ بھی ہیں۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود صرف میں یہ جرأت کر رہا ہوں اور یہ ظاہر کرتا ہوں کہ وہ انگریزوں کے محکمہ کے تنخواہ دار تھے اور وہ یقیناً جاسوس تھے۔
اب ہم اس کے سوا کیا کہیں کہ ؎

تیر بر معصوم ے بارد خبیث بد گہر آسمان راحق بود گر خون ببارد برزمین

درحقیقت کسی پاک طینت اور معصوم پر اس طرح کی بہتان تراشی اور افک مبین جرأت نہیں ہوتی، بلکہ بے حیائی، بدطینتی اور اپنے خبثِ باطن کا مکروہ ترین مظاہرہ ہوتا ہے۔ اور اس طرح بلند آسمان پر تھوکنے سے اپنا تھوکا ہوا اپنے چہرے پر آکر پڑتا ہے۔ اور بہتان تراش آخر کار خود سیاہ رُو اور ذلیل و خوار ہوجاتا ہے۔

اور ہیں قارئین کرام کے علم میں یہ بات لانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس مفتری اور کذاب عبدالرحمن کا انجام بھی یہی ہوا ہے۔ اللہ شاہد ہے کہ میں کسی طنز و تشنیع کے طور پر نہیں بشفاء غیظ کیلئے نہیں بلکہ محض عبرت اندوزی کے لئے یہ عرض کر رہا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے حق میں بے ادبی اور گستاخی کے نتیجے میں واقعتہً کسی کا کیا انجام ہوسکتا ہے۔ اور یہ کہ بالکل یہ حقیقت ہے کہ ؎

چوں خدا خواہد کہ پردۂ کس درد میلش اندر طعنہ پاکاں زند

آج اس عبدالرحمن کی حالت بد عبرت اندوزی کیلئے دیکھی جاسکتی ہے۔ پورے ملک میں کوئی جانا پہچانا شخص ایسا باقی نہیں رہا۔ کہ اس نے جاکر اس کے سامنے دستِ سوال دراز کرکے کچھ مانگا نہ ہو اور اپنے فقر و افلاس کی کہانی سنا کر ذلیل نہ ہوا ہو۔ ہر کسی سے قرضہ لیا اور ادا نہ کرکے پھر منہ چھپاتا پھرتا رہا۔ تمام پُرانے دوست احباب اس سے متنفر اور بیزار ہیں

علماء کرام میں سے کوئی بھی اسے منہ نہیں لگاتا۔ اور اس کی شکل بھی دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ سلام و کلام بند ہے۔ خود اس کے پرانے شاگرد اور معتقد بھی اسکو دین سے برگشتہ آوارہ مزاج اشتراکی اور عیاش طبع سمجھ کر اس سے بیزار ہیں اور تعلقات منقطع کر دیئے ہیں۔ سامری کیطرح اِنَّ لَکَ فِی الحیاۃِ اَنْ تقولَ لا مِسَاس۔ کی کیفیت اسکی ہو گئی ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے کوچہ گرد اشتراکیوں کا جو نقشہ کھینچا تھا۔

یہ پریشان روزگار آشفتہ مغز آشفتہ مو

ٹھیک وہی حالت اسکی ہو گئی ہے۔ جب اس کے کرتوت کیوجہ سے حنفی دیوبندی حلقوں میں اس کی کوئی وقعت باقی نہیں رہی اور وہی حالت ہو گئی۔ کہ ع پھرتا ہے میر خوار کوئی پوچھتا نہیں۔ تو اہل حدیث حضرات کو پھنسانے کے لئے ایک دام فریب بُن کر بچھایا۔ اہل حدیث اخبار "الاعتصام" میں اعلان شائع کر دیا کہ میں ۲۵ سال سے شرک فی النبوۃ کی گمراہی میں مبتلا رہا ہوں اور مقلد حنفی تھا۔ اب میں تقلید کے اس شرک فی النبوۃ کو چھوڑ کر اہل حدیث کا مسلک حق اختیار کرتا ہوں۔ بعض سیدھے سادے بھولے بھالے اہل حدیث اس کے اس دام فریب میں پھنس گئے اور بڑے خوش ہو گئے کہ ایک بولنے والا اور مدرس مولوی شخص اہل حدیث ہو گیا اور اس کو اپنے مدرسہ عربیہ جامعہ سلفیہ میں مدرس رکھا۔ اور اچھی تنخواہ مقرر کر دی۔ اور اس کی عادت کے مطابق عیش و عشرت کیلئے روپیہ خوب دیتے رہے۔ لیکن جلد ہی ان کو اس کی اصل حقیقت اور اہل حدیث بننے کی اصل غرض معلوم ہو گئی۔ کہ دین سے تو اس شخص کا کوئی سروکار نہیں۔ محض ہم سے روپیہ بٹورنے کیلئے اس نے اب یہ لبادہ اوڑھ لیا ہے۔ تاکہ اسی عنوان سے اہل حدیثوں سے کچھ وصول کرتا رہے اور مالی مطالبات بھی اتنے کثیر تھے کہ وہ ان سے پورے نہ ہو سکتے تھے۔ تو آخر کار وہ بھی اسکی مالی امداد سے دست کش ہو گئے اور یہ وہاں سے بھی بڑی بے آبروئی کے ساتھ باہر نکل آیا۔ پھر ایک اور جال پھیلانے لگا اور کوئی نیا شکار پھنسانے کی سوجھی۔ مشہور شیعہ مبلغ و مناظر مولوی محمد اسمٰعیل کے ساتھ یارانہ گانٹھا اور اپنے آپ کو شیعہ مسلک کا معتقد بتلا کر اُسے قابو کر کے کام نکالنا چاہا۔ اس نے اس کو اپنے مدرسہ "درس آل محمدؐ" لائل پور میں مدرس رکھا۔ اور معقول تنخواہ دیتا رہا۔ مگر وہاں بھی محض طلب زر ہی میں مصروف رہا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد اس نے بھی یہ اندازہ لگایا کہ یہ محض تنخواہ وصول کرنے اور عیش دنیوی کا سامان حاصل کرنے کی خاطر شیعہ معتقدات کو صحیح قرار دینے کی بات کر رہا ہے۔ اس کا مذہب محض سیم وزر اور عیش و عشرت ہے۔ اس کے سوا اس کا اور کوئی مذہب اور نظریہ نہیں۔ مدرسہ میں باقاعدگی کے ساتھ پڑھاتا بھی نہیں تھا۔ بلکہ ماہ بماہ محض تنخواہ وصول کر کے عیش و عشرت کی زندگی گذارنے اور سگریٹ اور افیون وچرس کیلئے استعمال کر رہا تھا۔ اس لئے

آخر کچھ عرصہ کے بعد اس نے بھی جواب دے دیا۔ اب وہ لائل پور کی سڑکوں پر سودائیوں اور دیوانوں کی طرح بلامقصد گھومتا پھرتا نظر آتا ہے۔ یا کسی ہوٹل میں تین چار کمیونسٹوں اور آوارہ خیال ملحدوں کے حلقہ میں گھرا ہوا بیٹھا ہوتا ہے۔ ان کے سامنے علماء کرام کی مذمت و تقبیح حتیٰ کہ حضرات آئمہ مجتہدین کے بارے میں گستاخی کی تقریریں کر کے اُن کو خوش کرتا ہے۔ اور دین کے خلاف طرح طرح کے مواد ان کو مہیا کر کے دیتا ہے۔ اور اس کے بدلے میں سگریٹ کی ڈبیہ اور چائے کی ایک دو پیالیاں مل جاتی ہیں اسی حالت میں شب و روز گذارتا ہے۔ سنا ہے کہ گذشتہ دنوں کی تحریک ختم نبوت کے دوران نزول مسیح کی احادیث پر تنقید کر کے یہ ثابت کر رہا تھا کہ اس مضمون کی ساری حدیثیں یا تو ضعیف ہیں یا ماوّل۔ اور اس طرح بالواسطہ قادیانیوں کی حمایت کرتا رہتا تھا۔ اب نہیں کہا جا سکتا کہ یہ براہ راست قادیانیوں کے ساتھ کسی معاہدہ اور معاوضہ کے ماتحت کرتا رہا یا یہ بھی اشتراکیوں نے اسکی ڈیوٹی لگائی تھی۔ کہ آجکل تحریک ردّ قادیانیت کے دوران میں آپ اس انداز سے خدمات بجالائیں۔ کیونکہ اس دوران میں اشتراکی اور مرزائی ایک ہو گئے تھے۔ اقبالؒ مرحوم نے جو فرمایا تھا کہ ؎

دیدۂ آغازم انجامم نگر

یہاں اس کے بالعکس اس "حضرت" کا آغاز کیا تھا۔ اور انجام آکر اب کیا ہو گیا ہے — اور اضلّہ اللّٰہ علیٰ علم۔ اور وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ۔ ولو شئنا لرفعنٰہ بھا ولکنّہ اخلد الی الارض واتبع ھواہ۔ کا ایک اور مصداق خود ہمارے سامنے موجود نظر آیا۔

ان فی ذٰلک لعبرۃً لاولی الابصار۔ ع

دیکھو اسے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

مرتّب کتاب نے حضرت مولانا عزیر گل صاحب مدظلہٗ العالی کے اجمالی تعارف کا آغاز اس جملہ سے کیا ہے۔ "ان کا وطن پشاور ہے۔ کاکا صاحب کی درگاہ کے متولیوں کے خاندان سے ہیں"۔ ص ۲۴۹ اس جملہ میں بھی اس نے اپنی دنائت طبع اور خباثت کا مظاہرہ کیا ہے۔ شیخ المشائخ حضرت شیخ رحمکار کاکا صاحبؒ جہانگیر اور شاہجہان کے عہد کے ایک بہت مشہور و معروف اور مرجع خلائق ولی اللہ گذرے ہیں۔ (المتوفی ۱۰۶۳ھ) صوبہ سرحد اور ملحقہ یاغستانی علاقوں اور ملحقہ پنجاب کے اضلاع میں اب تک ان کی ایک خاص اور نمایاں شہرت ہے۔ ان کا مزار قصبہ زیارت کاکا صاحبؒ تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور میں واقع ہے۔ اور ان کی اولاد و احفاد کاکاخیل کے نام سے مشہور

اور پورے ملک میں سادات کا ایک جانا پہچانا خاندان ہے۔ اسی کاکاخیل خاندان کے افراد کی سکونت اپنے مرکزی مقام قصبہ زیارت کاکا صاحبؒ کے علاوہ صوبہ سرحد اور قبائلی علاقوں کے دوسرے بیشمار قصبات و دیہات میں بھی ہے۔ مولانا عزیر گل صاحب مدظلہ اسی مشہور و معروف خاندان کے ایک ممتاز فرد ہیں۔ یوں تو یہ سارا خاندان شرافت و نجابت اور مکارم اخلاق میں ممتاز اور شہرہ آفاق ہے۔ لیکن اس خاندان کی بھی مختلف شاخیں ہیں۔ مولانا عزیر گل صاحب کا تعلق جس شاخ کے ساتھ ہے۔ وہ پورے خاندان کاکاخیل میں بزرگی، شرافت، علوم دینیہ کے ساتھ خصوصی تعلق اور روحانیت میں ممتاز اور گلِ سرسبد کی حیثیت سے مشہور و متعارف ہے۔ "درگاہ کے متولی" کے لفظ سے محض کسی مزار کے اصطلاحی مجاور کا مفہوم ذہن میں آتا ہے۔ جس میں ایک استخفاف کا پہلو پایا جاتا ہے۔ اور مولانا کو "مجاوروں کے خاندان" کی حیثیت سے متعارف کرانا درحقیقت اُن کی توہین و تحقیر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا مدظلہ تو اقبال مرحوم کی اصطلاح کے مطابق "قُم باذن اللہ" کہنے والوں کے زمرہ میں شامل ہیں۔ ذاتی طور پر بھی روحانی کمالات و فضائل کی بنا پر اور خاندانی طور پر بھی شرافت و نجابت کے اعتبار سے۔

مرتب کتاب نے اپنے زعم باطل میں ان کے جاسوس ہونے کیلئے کئی ثبوت دیے ہیں اب میں واضح کرتا ہوں کہ جس چیز کو وہ اپنی خباثت سے دلیل ثبوت کہہ کر پیش کر رہا ہے۔ اور قارئین کو مغالطہ دے رہا ہے۔ وہ درحقیقت کس قدر غلط، جھوٹ اور خلاف واقعہ محض گپ بازی ہے۔ مرتب نے لکھا ہے کہ: "دیوبند و دہلی کے خصوصی جلسوں میں یہی حضرات ہوتے تھے۔ مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا آزاد، گاندھی جی، موتی لال، مہندر پرتاپ، برکت اللہ، ہر دیال، مولانا سندھی، مولانا ہادی حسن، مولانا محمد میاں صاحب انصاری، اور مولانا عزیر گل صاحب۔ اب ان باقی حضرات میں سے کسی پر بھی شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ بجز ان کے ۔۔۔ الخ" صفحہ ۲۴۹

اس گپ بازی کو دیکھئے کہ گاندھی جی۔ موتی لال اور ہر دیال کو بھی ان مجالس کے شرکاء میں شامل کر دیا ہے۔ حالانکہ حضرت شیخ الہندؒ کی اس تحریک میں یہ غیر مسلم لیڈر اُس وقت بالکل شریک نہیں تھے۔ مولوی برکت اللہ بھی یہاں ان کے ساتھ نہیں رہے۔ وہ تو باہر ملکوں میں تھے۔ علی برادران اور مولانا آزاد کا تعلق عقیدت و ارادت تو تھا۔ مگر نہ اس قدر کہ وہ تمام مجلسوں میں ضرور شامل ہوتے۔ بلکہ جس زمانہ میں حضرت شیخ الہندؒ نے ہجرت کی [illegible] اور حرمین کے سفر کیلئے [illegible] بقول حضرت مدنیؒ [illegible]

مولانا محمد علی صاحب اور مولانا شوکت علی صاحب، مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ گرفتار ہوکر نظر بند ہو چکے تھے۔ (نقش حیات ج ۲ ص ۱۸۱)

مرتب صاحب نے جتنے لیڈروں کے نام تھے مسلم وغیر مسلم سب یونہی لکھ دیئے باقی رہی یہ بات کہ یہ تمام غیر مسلم ہندو لیڈر بھی اس کے ہاں قابل اعتماد تھے۔ اور دوسرے مسلمان شرکا، مجالس بھی۔ صرف ایک مخلص و مجاہد اور حضرت شیخ الہند کا سب سے بڑھ کر قابل اعتماد اور چہیتا مولانا عزیر گل قابل اعتماد نہیں تھا۔ اور ان مجلسوں کے راز اس نے جاسوسی کرکے انگریزوں تک پہنچائے۔ تو یہ ایک ایسی بات ہے۔ جو صرف اسی وقت کہی اور لکھی جاسکتی ہے۔ جبکہ کسی بدباطن نے پہلے سے یہ طے کر دیا ہو کہ مولانا عزیر گل کو مجرم اور جاسوس قرار دینا ہی بہرحال میرا مدعا ہے۔ دلیل معقول ہو یا غیر معقول میں کسی طرح سے بھی ہو۔ صغریٰ کبریٰ ملاکر یہی نتیجہ نکال کر پیش کروں گا۔ اور کہتا رہوں گا کہ میں نے بڑی جرأت کرکے وہ بات کہہ دی جو آج تک کوئی نہ کہہ سکا۔ یہاں مرتب کتاب عبدالرحمن نے اپنی اس بدباطنی کا ثبوت دیا ہے۔ مولانا کو جاسوس قرار دینے کیلئے ثبوت میں کوئی دلیل پیش نہیں کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ انگریزوں کو اس تحریک اور اس انقلابی پروگرام کا علم بہت سے دوسرے ذرائع سے بھی ہو سکتا تھا۔ بہ قول حضرت مدنی "چاروں طرف سے سی۔ آئی۔ ڈی کا جال بچھا ہوا تھا" ص ۱۳۶

حضرت مولانا مدنی نے مولانا احمد اللہ پانی پتی کے حالات کے ضمن میں تحریر فرمایا ہے۔

جس وقت مولانا شیخ الہند گرفتار ہو گئے اور کاغذات گورنمنٹ کے (حسب تحریر سابق) قبضہ میں آ گئے اور پکڑ دھکڑ اور تفتیش و تنقید شروع ہوئی تو ان کے مکان پر بھی پولیس کی دوڑ پہنچی ------- اور جب رجسٹر وغیرہ نہ ملے تو ان پر ایک مسلمان سی۔ آئی۔ ڈی مسلط کیا گیا ------- انہوں نے اس کو تمام راز کی باتیں بتا دیں۔ وہ تمام معلومات حاصل کرنے کے بعد غائب ہو گیا اور جاکر گورنمنٹ کو بتا دیں ----- الخ (نقش حیات ص ۱۹۳) کا خلاصہ۔

تو کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ انگریزوں کو تحریک کی یہ ساری باتیں اسی قسم کے سی۔ آئی۔ ڈی کے ذریعہ سے معلوم ہوئے ہوں۔ غالباً مولانا مدنی کی مراد علی گڑھ کا مشہور گریجویٹ انیس احمد ہی ہوں جس کے بارے میں یہ بات مسلّم ہے کہ وہ ابتداء میں حضرت شیخ الہند کا معتقد بنا اور راز کی ساری باتیں معلوم کر گیا اور پھر اس نے تحریک سے متعلق سارے راز افشاء کر دیئے تھے۔ یا ہو سکتا ہے۔ کوئی اور بھی ہو۔ مرتب صاحب کا حضر کے ساتھ یہ لکھ دینا کہ مولانا عزیر گل صاحب کے سوا اور

کوئی بھی یہ کام نہیں کر سکتا تھا یقیناً باطل اور محض افتراء ہے۔

دوسرا "ثبوت" اس نے یہ پیش کیا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ مالٹا سے بمبئی واپس پہنچے تو جہاز پر ہی آپ کو ایک سی۔آئی۔ڈی کا مولوی ملتا ہے۔ اور وہ وہ باتیں بتاتا ہے جو مالٹا کے قید خانے میں ان تین حضرات میں ہوئیں۔ الخ صــ

معلوم نہیں کہ مرتب صاحب نے یہ بات کہاں سے معلوم کی ہے۔ اور کس شیطان نے اس کے کان میں پھونک کر اس "ثبوت" کی یہ پٹی پڑھائی ہے۔ اس کا ذکر نہ تو مولانا مدنیؒ کی کتاب اسیر مالٹا میں ہے۔ جو حضرت شیخ الہندؒ کا پورا سفر نامہ دیوبند واپس ہونے تک کا ہے۔ اور نہ نقش حیات میں اس مضمون کی کوئی بات پائی جاتی ہے۔ بلکہ ان دونوں کتابوں میں حضرت شیخ الہندؒ کے معتمد ترین رفیق و تلمیذ اور جہاز کے ساتھی حضرت مولانا مدنیؒ نے صرف اتنا لکھا ہے کہ مولوی رحیم بخش صاحب (اس سے مراد سر رحیم بخش صاحب مرحوم ہیں ـــــ ص) جہاز پر آئے اور حضرت کو خیر خواہی کے انداز میں یہ مشورہ دیا کہ آپ بمبئی میں خلافت والوں کے ہاں نہ ٹھہریں۔ سیاسیات کو چھوڑ دیں اور یہاں بمبئی سے سیدھے دیوبند روانہ ہوں مگر حضرتؒ نے اس کا کوئی اثر قبول نہ کیا۔ (مختصراً از اسیر مالٹا ص ۱۲۸ و نقش حیات حصہ دوم ۲۳۴)

الغرض جہاز پر یا جہاز سے اتر کر بمبئی میں یا اس کے بعد کہیں بھی مالٹا کی اسارت کے زمانہ کی کوئی بات، کسی قسم کی گفتگو سامنے آئی نہیں۔ یہ مرتب صاحب نے حسب عادت اپنی طرف سے سارا افسانہ گھڑ لیا ہے تاکہ اپنے دعوئ فاسد کیلئے وہ ثبوت پیش کر سکے۔ میں ۲۳ سال سے مرتب صاحب کو اچھی طرح جانتا ہوں اور اس علم کی بناء پر قارئین کو بھی یہ یقین دلانے میں برحق ہوں کہ اس کو فرضی کہانی تصنیف کرنے میں خصوصی مہارت حاصل ہے۔ اور وہ سے جھوٹ کو بھی دوسروں کے سامنے اس انداز کے ساتھ بیان کرنے میں جری ہے کہ وہ بڑی ڈھٹائی اور بے حیائی کے ساتھ سامعین و قارئین کے سامنے کہتا اور لکھتا ہے کہ تم میری بیان کی ہوئی کہانی کو ضرور درست اور صحیح مان جاؤ۔ کیونکہ میں تاریخ اور فلسفۂ تاریخ کا ایک ماہر ہوں۔ اور میری بات بہرحال صحیح ہوتی ہے

تو یہ کہانی بھی کذب و افتراء کی اس فیکٹری کی پیداوار ہے۔ یہ کوئی "دلیل ثبوت" نہیں۔ پھر اس افسانہ میں ایک گل افشانی یوں بھی ہے کہ جو کتنے قیدی مولانا وحید الزمان پہلے انتقال فرما چکے تھے ص۲۵ یعنی اس حضرت کو فوت ہونے والے ساتھی کا نام بھی صحیح یاد نہ رہا۔ انتقال فرمانے والے تو حکیم نصرت حسین مرحوم تھے۔ اور مولانا وحید الزمان کے نام سے تو کوئی اسیر مالٹا تھا ہی نہیں۔ حضرت

مدنیؒ کے بھتیجے وحید احمد صاحب ساتھ تھے مگر وہ تو بفضلہ تعالیٰ وہاں سے زندہ و سلامت واپس آئے تھے۔ ان کا انتقال تو ۱۳۹۵ھ کے بعد ہوا ہے۔ درحقیقت جھوٹی کہانی تصنیف کرنے کی نحوست کی وجہ سے جو ایک جزء صحیح بھی تھا اُسے بھی غلط لکھ دیا۔ تاکہ اس کہانی کا کوئی حصّہ بھی سچ اور مطابق واقعہ اس منحوس قلم سے نہ نکلے۔ جو خاصانِ خدا کی بے ادبی اور آبرو ریزی کے لئے چلنے لگا ہے۔

اس کے بعد مرتب صاحب نے نمبر ۴ لگا کر "تیسرا ثبوت" یہ پیش کیا ہے کہ :۔

ان مولوی صاحب کی معاشرتی زندگی ایک بلند پایہ دولت مند کی سی رہی ہے۔ اور اب بھی ہے۔ خورد و نوش اور دوسرے لوازمات امیرانہ ہیں۔ الخ صفحہ ۲۵

ثبوت مدعا کیلئے مرتب مفتری نے اس "دلیل" کو بیان کر کے کذب و افترا بلکہ بے حیائی کی انتہا کر دی ہے۔ اور اس قدر ڈھٹائی، بے حیائی اور شوخ چشمی سے کام لیا ہے۔ کہ میں خود حیران ہوں کہ ان کو کیا نام دوں ہمارے ان بعض دوستوں کا (جو اس عبدالرحمٰن کو اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں اور اس کے سارے کرتوتوں اور بجز بجز سے خوب واقف ہیں۔)

خیال یہ ہے کہ یہ بات اس نے ایسے وقت لکھی ہے کہ جب زیادہ چرس پینے یا زیادہ افیون کھانے کی وجہ سے وہ ایسے نشہ میں سرشار اور مست و بے خود تھا کہ اس کے حواس بالکل مختل ہو گئے تھے اور عقل و فکر غائب ہو گئی تھی۔ اور نہیں سمجھ رہا تھا کہ میں یہ کیا لکھ رہا ہوں۔ اس لئے یہ ایک مخبوط الحواس اور پاگل کا کلام ہے۔ اس کی تردید بھی نہیں کرنی چاہیئے۔ دیوانوں کی تردید کرتا ہوا عقل مند آدمی اچھا نہیں لگتا۔ مگر میں نے ان کی خدمت میں عرض کر دیا کہ اس کی یہ ساری حقیقت تو آپ کو معلوم ہے آپ اس کو ایک افیونی کی بات کہہ کر اسے لغو قرار دیں گے۔

دوسرے لوگ جو اس کتاب کو پڑھیں گے ان کو اس پس منظر کا اور لکھنے والے کی سیرت و کردار کا کیا پتہ ہوگا۔ وہ بیچارے تو اپنی لاعلمی کی وجہ سے اس کو کسی شریف اور سنجیدہ مولانا عبدالرحمٰن مرتب کتاب کی عبارت سمجھ کر اس کی صداقت کا یقین کریں گے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس بارے میں حقیقت حال بیان کر کے اس جھوٹ کے تانے بانے کو بکھیر کر رکھ دوں۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ مالٹا کی اسارت سے واپس آجانے کے بعد مولانا عزیز گل صاحب اپنے شیخ و استاد حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں ایک مخلص خادم کی حیثیت سے رہے۔

مولانا شیخ الہندؒ نے آپ کے ساتھ اس قدر خصوصی تعلق رکھا اور ایسی محبت کے ساتھ ہر معاملہ میں توجہ اور کرم فرمائی کرتے رہے کہ بڑے بڑے بڑوں کو آپ پر رشک آتا تھا۔ اور بہت

سے بچارے آپ کے ساتھ حسد کرنے لگ گئے تھے۔ اور جیسا کہ حضرت مدنیؒ نے نقش حیات میں اجمالی اشارہ کر کے ایک بڑی تفصیل کو چند الفاظ میں سمیٹ لیا ہے۔ کچھ حاسدین نے مختلف تدبیریں کر کے اور ترکیبیں کر کے چاہا کہ حضرت شیخؒ کی توجہ آپ سے پھر جائے یا کم ہو جائے۔ مگر کسی کو بھی کامیابی نہ ہوئی۔ حضرت شیخ الہندؒ کو اللہ تعالیٰ نے جو بہت سے فضائل و کمالات عطا فرمائے تھے اور جن کی بنا پر وہ پورے ہندوستان بلکہ دنیائے اسلام میں ایک ممتاز و منفرد مقام رکھتے تھے۔ اُن میں ایک خصوصی فضیلت آپ کی یہ بھی تھی کہ آپ مردم شناس تھے۔ اور اخلاص کے قدر دان و قدر افزا تھے۔ آپ کے تلامذہ اور متعلقین میں بہت سے اہل علم و فضل تھے۔ بہت سے تجربہ کار، ماہر اور ذہین و فطین تھے۔ لیکن اخلاص اور سچی محبت و عقیدت کی جو پونجی مولانا عزیر گل صاحب کے پاس تھی اس کی بنا پر دوسروں کی بہ نسبت کم عمر ہونے کے باوجود آپ نے مردم شناسی اور قدر دانی کی بناء پر مولانا عزیر گل صاحب کے ساتھ سب سے بڑھ کر تعلق رکھا۔ مولانا عزیر گل صاحب اپنے اخلاص اور صاف دلی کی وجہ سے ایک ناز کے انداز میں نہایت بے تکلفی کے ساتھ حضرتؒ سے بات کیا کرتے تھے۔ جو بعض حقیقتِ حال سے ناواقف لوگوں کو ناگوار بھی گذرتی تھی۔ کہ ایک کم عمر شاگرد و خادم یہ کس انداز سے بات کر رہا ہے۔ مگر حضرتؒ اس ناز میں بھی نیاز محسوس کرتے اور اس انداز گفتگو سے لطف لے کر مسکراتے اور اسی طرح بے تکلفی سے جواب دے دیتے اور اسی کو حضرت مدنیؒ نے ان الفاظ میں تحریر فرمایا ہے کہ: "مولاناؒ کی نظر عنایت ان پر بہت زیادہ تھی۔ اور بہت بے تکلفی سے ان سے رہتے تھے جو بے تکلفی ان سے برتتے رہے وہ کسی اور کے ساتھ عمل میں نہیں آئی۔ (اسیر مالٹاؒ ص ۱۱۶)

بہت سے لوگوں کو بے تکلفی کا یہ منظر بڑا عجیب معلوم ہوتا تھا۔ چونکہ آپ کی یہ "شوخی و تندی" اور بے تکلفی کبر و ناز کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ اخلاص اور قلب کی صفائی کی مظہر تھی اس لئے حضرت شیخؒ کو پسند تھی۔ اقبال مرحوم نے صحیح کہا ہے ؎

خودی کی شوخی و تندی میں کبر و ناز نہیں   جو ناز ہو بھی تو بے لذت نیاز نہیں

۲۰ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ مطابق ۸ جون ۱۹۲۰ء ایک بجے دن کو حضرت شیخ الہندؒ مع رفقاء مالٹا سے بمبئی واپس تشریف لائے اور ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۳ جون ۱۹۲۰ء روز یکشنبہ کو دیوبند پہنچے۔ ۱۰ ذوالقعدہ ۱۳۳۸ھ کو آپ کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہوا۔ محرم ۱۳۳۹ھ کے عشرۂ اولیٰ کے بعد آپ تپ و لرزہ سے بیمار ہو گئے۔ بیماری کی حالت میں ۱۷ صفر ۱۳۳۹ھ

مطابق ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء بروز جمعہ علی گڑھ تشریف لے جاکر جلسہ کی صدارت فرمائی۔ ڈاکٹر انصاری مرحوم کے اصرار پر علاج کیلئے وہاں سے دہلی تشریف لے گئے۔ بڑی توجہ کے ساتھ علاج جاری رہا۔ مگر وقت موعود آپہنچا اور دہلی میں ۱۸ ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ روز سہ شنبہ مطابق ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء آپ کا انتقال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

گویا مالٹا سے واپس تشریف لانے کے بعد قریباً چھ ماہ آپ ہندوستان میں بقید حیات رہے۔ مولانا عزیر گل صاحب اس تمام عرصہ میں آپ کے خادم خاص اور یکے از اہل بیت کی حیثیت سے سفر و حضر میں ساتھ رہے۔ اور آپ کی خدمت گذاری میں مصروف رہتے تھے۔ تو اس عرصہ میں آپ کی "معاشرتی زندگی" تو ویسی رہی جو حضرت شیخ الہندؒ کے ایک خادم کی ہو سکتی تھی حضرت شیخ الہندؒ کی وفات کے اس حادثہ فاجعہ کے بعد آپ کافی عرصہ تک حضرت شیخؒ کے مکان پر آن کے ایک معتمد علیہ تلمیذ رشید اور خادم خاص کی حیثیت سے رہے۔ اور آپ اس وقت اپنے شیخ واستاد کے خاندان میں ان کے ایک فرد اور رکن خاندان کی حیثیت سے وہاں رہتے تھے۔ اور اس وقت بلند پایہ تو کیا بالکل معمولی دولت مند کیطرح بھی آپ کی معاشرتی زندگی نہیں تھی۔۔۔ تحریک خلافت میں عملی طور پر کام کرتے تھے۔ اور لوگ ان کو حضرت شیخ الہندؒ کے ایک معتمد خصوصی صاحب السرّ اور صاحب العصا والنعلین خادم مخلص کے طور پر تحریک خلافت کا ایک مرکزی رہنما یقین کرتے تھے۔ اپنے حلقہ دیوبند کے اکابر علماء کے علاوہ علی برادرانؒ، مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ مولانا عبدالماجد بدایونیؒ اور دوسرے حریت پسند اور حکومت برطانیہ کے خلاف صف آرا رہنمایان قوم آپ کی نہایت عزت واکرام فرماتے تھے اور آپ کو حضرت شیخ الہندؒ کی ایک یادگار سمجھ کر آپ سے محبت کیا کرتے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے اہل خاندان آپ کو مخلص و معتمد یقین کرکے ان کے ساتھ انتہائی محبت سے پیش آتے تھے۔ حتیٰ کہ اسی اعتماد و محبت کی بناء پر حضرت شیخ الہندؒ کی ایک بھانجی نے اپنی صاحبزادی کا جن کا تعلق دیوبند کے سادات کے ایک اونچے خاندان سے تھا آپ سے نکاح کردیا۔ اور مولانا کو اپنے گھر ہی پر رکھا۔ ان ایام میں بھی آپ کا گذارا بالکل معمولی اور ایک عام آدمی کا گذارا تھا۔ کچھ عرصہ بعد ان کی ان معاشی مسائل اور گھریلو ضرورتوں کو دیکھ کر حضرت مولانا مدنیؒ نے جس زمانہ میں کہ سلہٹ میں ان کا قیام ہوتا تھا۔ آپ کو نواکھالی (مشرقی پاکستان) کے ایک مدرسہ عربیہ میں صدر مدرس کے عہدہ پر تقرر کراکر دیوبند سے بلایا۔ وہاں آپ کچھ عرصہ رہے۔ معمولی تنخواہ ملتی تھی وہ اپنے گھر بھیج دیا کرتے تھے۔ اور اس سے

معمولی معاشرتی زندگی گذرتی رہی۔ آپ نے ہمیشہ زہد و قناعت کی زندگی بسر کی ہے ۔ بعد ازاں حضرت مولانا مدنیؒ کے مشورہ اور مولانا محمد ابراہیم صاحب راندیریؒ کی خاص شوقیہ اور اصرار کے ساتھ طلب پر آپ راندیر ضلع سورت کے مدرسہ عربیہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں بھی صدر مدرس تھے۔ اور مدرسہ کیطرف سے ملنے والی عام معمولی تنخواہ پر زاہدانہ گذر بسر کرتے رہے۔ وہ اگر چاہتے تو حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ خصوصی تعلق اور بعد میں رشتہ داری کیوجہ سے حضرت شیخؒ کے بہت سے مخلص و مخیر معتقدین سے کچھ دوسرے طریقوں پر ہدایا و تحائف بھی وصول کرکے آرام و راحت اور فراغ کا گذارا کر سکتے تھے۔ آپ کا محض اشارہ ہی کافی تھا۔ لوگ مالا مال کر دیتے مگر یہ واقعہ ہے اور تمام جاننے پہچاننے والوں کا چشم دید مشاہدہ ہے کہ اس دوران میں آپ کے خورد و نوش اور لباس و مکان بھی نہیں تھا۔ کچھ عرصہ تک تو سسرال کے مکان ہی میں رہے پھر آخر میں دار العلوم دیوبند کے قریب ہی ایک معمولی سا مکان کرایہ پر لیا۔ اہل و عیال کی رہائش اس مکان میں تھی اور آپ پھر حضرت مدنیؒ کے ارشاد کے مطابق مدرسہ رحمانیہ جامع مسجد رڑکی ضلع سہارنپور میں صدر مدرس مقرر ہو کر تشریف وہاں لے گئے تھے۔ اور ہر جمعرات کو قریب کے راستہ سے سائیکل پر آکر جمعہ گھر گذارتے۔ اور اہل و عیال کی خبر گیری کرتے تھے۔ اور پھر ہفتہ کی صبح کو واپس چلے جاتے تھے۔ اُن دنوں غالباً ۳۵ یا ۴۰ روپیہ آپ کا مشاہرہ تھا۔ شوال ۱۳۵۲ھ سے شعبان ۱۳۵۶ھ تک جب میں دار العلوم دیوبند میں پڑھتا تھا۔ تو اپنے محسن فرد استاد محترم اور مخدوم مکرم حضرت مولانا عبد الحق صاحب نافع نور اللہ مرقدہٗ وادخلہ فرادیس الجنان کی شفقت و محبت کی وجہ سے ان کے واسطہ سے میں آپ کے اس مکان کے باہر مردانہ حصہ میں اقامت پذیر رہا ہوں۔ اور مجھے آپ کی معاشرتی اور معاشی زندگی کے تفصیلی حالات کا پورا پورا پتہ ہے۔ تفصیلات بیان کرنا مناسب نہیں۔ جو کہ اب تک لکھا ہے۔ یہ بھی مجبوراً ایک دریدہ ذہن کے جواب میں قارئین کو غلط فہمیوں سے بچانے کی خاطر لکھنا پڑا ہے۔

بس خلاصہ ان الفاظ میں ذکر کر سکتا ہوں کہ آپ نے اپنی معاشی اور معاشرتی زندگی میں اپنے اسلاف و اکابر کا نمونہ پیش کرکے زندگی کے یہ دن گذارے ہیں۔ خود بھی ہمیشہ دستی کھڈی کے بنے ہوئے موٹے کھدر کے کپڑے پہنتے تھے اور بچوں کو بھی یہی پہناتے تھے۔ کھانے پینے میں بالکل سادگی اختیار کرتے تھے۔ کبھی بھی کسی معاملہ میں تکلف سے کام نہیں لیا۔ جیسا کہ

غرض کردیا۔ مدرسہ رحمانیہ کی تنخواہ بالکل قلیل تھی اس محدود آمدنی پر دو جگہ گذارا مشکل تھا۔ اس لئے شوال ۱۳۵۲ھ میں بال بچوں کو بھی رڑکی سے گئے مدرسہ کا ایک مکان بالکل چھوٹا سا تھا غالباً ۳ مربعے سے زائد نہ ہوگا۔ اس میں اہل وعیال نے رہائش اختیار کی۔ اخراجات میں اضافہ ہوا اور تنخواہ قلیل تھی اس لئے مجبور ہوکر مدرسہ کی ملازمت کے ساتھ ساتھ سوختنی لکڑیوں کی تجارت بھی شروع کردی جس کا ذکر حضرت مدنیؒ نے بھی نقش حیات میں کردیا ہے۔ مگر خدا کی قدرت، اللہ تعالیٰ اپنے خاص اور نیک بندوں کو مختلف طریقوں سے آزماتا ہے۔ اس کاروبار میں خاص نفع نہیں ہوا۔ اس دوران میں اہلیہ کی وفات کا حادثہ پیش آیا۔ اور پھر ایک سیم صاحبہ سے شادی کی جس کی وجہ بالتفصیل آگے آرہی ہے۔ مارچ ۱۹۴۵ء (۱۳۶۴ھ) تک آپ رڑکی میں رہے۔ مالی حالت کمزور تھی۔ جنگ کی وجہ سے اشیاء ضرورت کی قیمتیں بھی دن بدن چڑھنے لگی تھیں۔ ضروریات زندگی بھی آسانی کے ساتھ پوری نہیں ہوتی تھیں معمولی گذارا کی صورت بھی متعین نہیں تھی۔ اس لئے مجبور ہوکر اپنے وطن آجانے کا فیصلہ کیا۔ ضلع مردان میں سخاکوٹ منڈی کے قریب آبائی عمدہ نہری زمین تھی جس میں دوسرے بھائیوں کے ساتھ آپ کا بھی حصہ تھا۔ آپ کی اہلیہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس طرح کی دیہاتی زرعی زمین ان کی اپنی مملوکہ موجود ہے تو اس نے تقاضا کیا کہ وہاں جاکر گاؤں میں رہائش اختیار کریں گے۔ تو اس زمین کی نگرانی خود کریں گے۔ بہت سی چیزیں دیہات میں آسانی کے ساتھ لور سستے داموں مہیا ہوسکیں گی۔ زمین سے اتنی آمدنی آئے گی کہ دیہاتی معاشرت کے مطابق گذارا ہوسکے گا۔ چنانچہ مارچ ۱۹۴۵ء میں وہاں رڑکی سے نقل مکان فرماکر اس گاؤں میں تشریف لے آئے۔ اپنی رہائش کے لئے کچا دیہاتی مکان بنوایا۔ اور ۱۹۴۵ء سے لیکر اب تک وہاں سکونت پذیر ہیں۔ اور بالکل دیہاتی ماحول میں یاد خدا میں دن گذار رہے ہیں۔ قبل از تقسیم ملک ہندوستان سے بھی، اور بعد از تقسیم پاکستان کے ہر حصہ سے حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مولانا مدنیؒ کے معتقدین و متوسلین ان کو اپنے اکابر کی ایک یادگار سمجھ کر ان کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے رہتے ہیں۔ اور پندرہ بیس گھروں پر مشتمل یہ چھوٹی سی معمولی بستی ان کی برکت سے زیارت گاہ اہل عزم و ہمت بنی ہوئی ہے۔ اور ہر طبقہ کے نمایاں اور ممتاز افراد نے وہاں جاکر ان کی خدمت میں نیازمندانہ حاضری دی ہے۔ اور جتنے لوگ بھی ہر گروہ کے (یعنی علماء، تجار و صناع) وہاں جاکر مولانا کے مہمان رہے ہیں وہ گواہی دے سکتے ہیں کہ کیا "مولانا کی معاشرتی زندگی ایک بلند پایہ دولتمند کی سی ہے۔ اور خورد و نوش اور دوسرے لوازمات زندگی امیرانہ ہیں" یا وہ ٹھیک اپنے اساتذہ و اکابر کے نقش قدم پر

پہلی کر جیدی فقر اور بوذری شان کا ایک عمدہ نمونہ پیش کر رہے ہیں۔ ہاں وہ اپنے اسلاف و اکابر کی پیروی میں اور اپنے خاندانی روایات اور ذاتی سخاوت کی وجہ سے مہمان نوازی، اور آنے جانے والوں کی قدر افزائی اور اعزاز و اکرام خوب کر دیتے ہیں۔

یہ بات میں پورے جزم و یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ حضرت مولانا کو جاننے پہچاننے والے اور وہاں آپ کے آستانۂ زہد و رشد پہ حاضری دینے والے جب اس مفتری کذاب عبدالرحمٰن کا یہ لکھا ہوا جملہ پڑھیں گے۔ تو وہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ پڑھ کر اس کو ایک کذاب اشر قرار دیں گے۔

دیوبند والی اہلیہ مرحومہ سے مولانا کے دو لڑکے ہیں۔ بڑے ہو کر انہوں نے ملازمت اور پھر کاروبار شروع کر دیا۔ زرعی زمین اور سنگاکوٹ منڈی میں معمولی سی تجارت سے اتنی آمدنی ہو جاتی ہے۔ کہ ان کا بالکل سادہ سا گزارا ہو رہا ہے۔ جیسا کہ عرض کر دیا وہ خود بھی اپنے اسلاف کی طرح سادہ پہنتے، سادہ کھاتے پیتے اور کچے مکان میں پورے زہد و قناعت کی زندگی یادِ خدا میں بسر کر رہے ہیں۔ اور یہ سادگی صرف ان کی ذات تک محدود نہیں۔ ان کے بچے پوتے نواسے بھی اسی طرح سادہ خوراک و پوشاک کے عادی ہیں۔ اور ان میں امارت و دولت مندی کے مظاہر تو کیا عام متوسط درجہ کے مالداروں کے برابر بھی کوئی چیز ہرگز پائی نہیں جاتی۔

میں جانتا ہوں کہ حضرت مولانا مدظلہٗ کسی پہلو سے بھی اپنی شہرت و ناموری کو پسند نہیں فرماتے آپ کی معاشرتی اور معاشی زندگی میں زہد و قناعت کا اظہار بھی طبعاً آپ کو ہرگز گوارا نہیں۔ اور مجھے یہ ڈر بھی ہے کہ اس اظہار و بیان پر حضرت عمہ سے ناراض نہ ہو جائیں۔ وہ جو ابو الطیب نے کہا ہے

انا بالوشاۃ اذا ذکرتک اشبہٗ   تأتی الندی فیذاعُ عنک فتکرہٗ

یہ اذاعہ بھی آپ کے ہاں مکروہ و ناپسندیدہ ہے۔ مگر میں اپنا یہ اعتذار عرض کروں گا کہ ہم خادموں اور کفش برداروں کو یہ گوارا نہیں۔ کہ مولانا کے بارے میں کوئی دریدہ ذہن گستاخانہ الفاظ استعمال کرے کوئی کوتہ آستین دراز دستی کر کے ان کی عزت و آبرو پہ حملہ آور ہو۔ کوئی مفتری و بہتان تراش کذب و افتراء کے زہریلے تیر برسائے اور جھوٹے الزامات لگائے اور ہم اس کا مبنی بر حقیقت جواب نہ دیں اور لازماً جواب دینے میں حقائق کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔ صحیح واقعات ہی پیش کر کے ایسے بدزبانوں کا منہ توڑ جواب دیا جا سکتا ہے۔ الغرض ہم نے ان مجبوریوں کی بنا پر مولانا مدظلہ کے بارے میں ان حقائق و واقعات کا اظہار کیا ہے اور امید کرتے ہیں کہ وہ ہم کو معاف فرمائیں گے۔ ہمارا عذر واضح ہے۔ ع والعذر عند کرام الناس مقبولُ

(باقی آئندہ)